تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۱۳)

خیر قصہ مختصر یہ ہے کہ اسلامی چھاؤنیوں میں اپنے وساوس واوہام کا پرچار کرتے ہوئے صبیغ "مصر" پہنچا، یہاں اس وقت عمرو بن عاص والی تھے ان کو اس کی باتوں کی جب خبر پہنچی رسید سے مدینہ منورہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس کو روانہ کر دیا ساتھ ہی قاصد کے ہاتھ عمرو بن عاص نے اپنا ایک مراسلہ بھی بھیجا تھا جس میں اس کی فتنہ زایوں کا ذکر تھا لکھا ہے کہ خط کے پڑھنے سے حضرت عمرؓ جس وقت فارغ ہوئے تو قاصد سے آپ نے دریافت کیا کہ وہ شخص کہاں ہے؟ غصہ سے بے تاب تھے اور اسی غصہ میں آپ نے قاصد سے کہا کہ دیکھ! اگر اس عرصہ میں وہ کہیں بھاگ گیا تو پھر تیری پوری خبر لی جائے گی، بے چارا بھاگتا ہوا وہاں پہنچا جہاں "صبیغ" کو اس نے ٹھہرایا تھا، ساتھ لئے ہوئے دربار خلافت میں حاضر ہوا ادھر حضرت عمرؓ کھجور کی شاخوں کی تازہ چھڑیوں کا ایک بوجھ منگوا چکے تھے "صبیغ" حضرت عمرؓ کے سامنے حاضر ہوا، پوچھا تو کون ہے۔ میں اللہ کا بندہ "صبیغ" ہوں۔ یہ اس نے جواب دیا سن کر حضرت عمرؓ نے ہاتھ میں چھڑی لی اور یہ کہتے ہوئے کہ میں بھی اللہ کا بندہ عمرؓ ہوں اس کے سر پر بے تحاشا آپ نے مارنا شروع کیا لکھا ہے کہ اتنا مارا کہ

حتی ادمی راسہ — صبیغ کا سر لہو لہان ہو گیا

بعض کہتے ہیں کہ پہلی مار ہی کے بعد صبیغ کے دماغ میں عقل واپس آگئی، لکھا ہے کہ مار کھا

ہی رہا تھا کہ صبیغ نے چلانا شروع کیا کہ

یا امیر المومنین حسبک قد	امیر المومنین بس کیجیے میرے سر میں جو کچھ گھس گیا تھا
ذھب الذی کنت اجد فی	چلا گیا۔
راسی	ازالۃ الخفاء ج۲ ص۳

بعضوں کا بیان ہے کہ متعدد دفعہ پٹائی کے بعد اس نے اعتراف کیا کہ "قد برئت" (میں بالکل چنگا ہو چکا ہوں) بہرحال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "البینات" میں اختلافی رنگ پیدا کرنے کے خطرے کو شروع ہی میں بھانپ لیا تھا، اور آپ نے اندازہ فرمالیا کہ اس قسم کے لوگوں کا علاج افہام و تفہیم سے نہیں ہو سکتا سمجھانا بجھانا تو اسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے جو کسی غلط فہمی کا میں مبتلا ہو لیکن "البینات" کا تعلق انسانی فطرت سے ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں غلط فہمی کی گنجائش ہو ان میں شاخسانے وہی نکالتے ہیں یا نکال سکتے ہیں، جو قصداً و عمداً فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتے ہوں۔

لہ جیسا کہ میں نے عرض کیا "صبیغ" کیا باتیں بناتا تھا۔ اس کی کوئی تفصیل کتابوں میں مجھے اب تک نہیں ملی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں "صبیغ" کا ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے بھی اس مسئلہ میں اجمال ہی سے کام لیا ایک روایت اصابہ میں پائی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ الذاریات کے متعلق اس نے کچھ شکوک پیدا کئے تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک اجمالی بات ہی ہوئی۔ کچھ بھی ہو اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیدا کردہ اشتباہات کا تعلق قرآن ہی سے تھا، اور اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنے شکوک و شبہات کی اشاعت میں وہ کوشاں تھا مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیوں میں پہنچ کر سادہ دل سپاہیوں کو بہکاتا تھا اسی چیز نے اس کے جرم کی نوعیت ذرا زیادہ سخت کر دی تھی لکھا ہے کہ تائب ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کو بصرہ بھیج دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے ملنے جلنے نہ دیا جائے۔ لیکن بعد کو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش سے یہ قید بھی اٹھالی گئی تھی، میرا خیال ہے کہ صبیغ اسی قسم کی باتیں شاید کرتا تھا جیسا کہ بعض لوگ قرآن کے اس حکم کو یعنی میتۃ (مردار) دم (خون)، لحم خنزیر (سور کے گوشت) کا مطلب یہ بیان کرتے تھے کہ عرب جاہلیت میں میتۃ ایک عورت کا اور دم و لحم خنزیر دو مردوں کے نام تھے مسلمانوں کو ان سے ملنے جلنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اسی بنیاد پر وہ مردار خون سور کے گوشت کو حلال سمجھتے تھے یا اس زمانہ میں بعض لوگوں نے قرآنی حکم جو الربوا (سود) کے متعلق ہے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا ہے اس زمانہ میں سود جس معاملہ کا نام ہے وہ الربوا سے مراد نہیں ہے بلکہ ایام جاہلیت

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ور اس قسم کی شرارتوں کا علاج اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے جسے حضرت عمرؓ نے صبیغ کی اصلاح کے سلسلہ میں اختیار فرمایا تھا۔

بہرحال یہ طرز عمل حضرت عمرؓ کا "قرآنی بینات" کے اختلافات کے ساتھ تھا باقی شریعت کے غیر بیناتی شعبہ کے قدرتی اختلافات جن کا خبر آحاد کے متعلقہ معلومات کے اختلافات اور تفقہ کے سلسلہ میں مختلف اجتہادی نقاط نظر کے اختلافات کی وجہ سے پیدا ہو جانا، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ناگزیر تھا۔ عام طور پر ان اختلافات کے متعلق حضرت عمرؓ کی روش وہی معلوم ہوتی ہے کہ اختلافات کے دونوں پہلوؤں کو سمجھتے تھے کہ دین میں گنجائش ہے جس پہلو کو بھی اختیار کیا جائے اختیار کرنے والا دین ہی کے دائرے میں رہتا ہے۔

تاہم ان کے ایام خلافت کی طویل تاریخ میں بعض چیزیں ایسی ملتی ہیں جن کا بظاہر "مبیناتی شعبہ" سے تعلق معلوم نہیں ہوتا بلکہ الواحد بعد الواحد کی راہ سے جو معلومات ان کے متعلق صحابہ تک پہنچے تھے ان ہی کے اختلاف پر ان مسائل کے اختلافات مبنی تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت و امارت کی قوت سے کام لیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں صحابہ کو آمادہ کیا کہ ان مسائل کے اختلافات ختم کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز متعہ کا مسئلہ ہے اگرچہ مسلمانوں کا ایک طبقہ متعہ کی حرمت دین کے "البینات" میں شمار کرتا ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ اس فعل کی حرمت قرآن کے نص صریح کا اقتضا ہے مگر ان ہی لوگوں میں جو متعہ کی حرمت کے قائل ہیں۔ بعض ایسے افراد بھی ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ میں معاملہ کی ایک خاص شکل تھی جو اب دنیا میں مروج نہیں ہے یا اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے متعلق قرآن میں دو جگہ اعلان کیا گیا ہے کہ وہ زندہ رہتے ہیں اس کا مطلب بعض لوگوں نے اس زمانہ میں پھیلانا شروع کیا ہے کہ ان کا نام زندہ رہتا ہے یا اس زمانہ میں جنت و دوزخ جن کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے طرح طرح کے مطالب بیان کرنے شروع کئے ہیں نیکی سے جو خوشی ہوتی ہے یا پاپ سے روح میں قدرتاً انقباض و کدورت جو کیفیت پیدا ہوتی ہے یا مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک کے باغ دریا وغیرہ یا اسی طرح بعض بے معنی الفاظ و معانی جنت و دوزخ وغیرہ جو بولے جاتے ہیں صبیغ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تفسیروں کا تاریخی پیشوا تھا۔

جو سمجھتے ہیں کہ "البینات" میں متعہ کی حرمت کو داخل کرنا ذرا مشکل ہے[1]۔ بہرحال یہ الگ مسئلہ ہے مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ متعہ کی حرمت کا تعلق خواہ "البینات" سے ہو یا نہ ہو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابہ میں کچھ لوگ اس کی حرمت کے قائل نہ تھے اگر اکثریت کا خیال یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حکم یہی ہے[2] کہ متعہ کو قطعی طور پر فعل حرام

---

[1] متعہ کا مطلب جیسا کہ لوگ جانتے ہیں عورتوں سے استفادے کے ایک خاص طریقہ کا نام ہے جس میں مرد و عورت کا تعلق صرف وقتی ہوتا ہے گھنٹے دو گھنٹے کے لئے بھی معاوضہ طے کر کے مرد عورت سے استفادہ کر سکتا ہے یہ ظاہر زنا کی جبری شکل کے سوا عام بازاری عورتوں سے بھی استفادے کی عام شکل چونکہ یہی ہوتی ہے، اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام وعلیٰ آبائہ الکرام سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ سے متعہ کے متعلق کسی نے پوچھا تو جواب میں حضرت نے فرمایا کہ "هي الزنا بعينه" (یہ تو وہی بجنسہ زنا ہے) دیکھو فتح الملہم ص۴۴۴ ج ۳ بحوالہ تاہم بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مجموعی طور پر متعہ کے متعلق جو مواد قرآن و حدیث میں پایا جاتا ہے اس کو دیکھ کر غلط فہمی میں اگر مبتلا ہو جائے تو یہ "البینات" سے اختلاف کی شکل نہ ہوگی بعضوں نے اسی بنیاد پر لکھا ہے کہ فالمتعة عندي مرتبة برزخية بين النكاح والسفاح المطلق (یعنی متعہ گویا خالص نکاح اور خالص زنا کا ایک درمیانی درجہ ہے) کہتے ہیں کہ ممتوعہ عورت وارث نہیں ہوتی، لیکن متعہ میں چونکہ گواہ کی بھی ضرورت ہے اور مرد سے علیحدگی کے بعد فوراً دوسرے مرد سے متعہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی جب تک ایک دفعہ حیض نہ آجائے، اس لئے بالکلیہ اس کو زنا نہ کہنا چاہئے (فتح الملہم ص۴۴۴ ج ۳) باقی مشہور آیت قرآنی الا على ازواجهم او ما ملكت ايمانهم سے متعہ کی حرمت کو جو لوگ نکال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ممتوعہ عورت لونڈی (ما ملکت ایمانہم) میں تو داخل ہی نہیں ہے، اب رہا اس کا ازواج میں ہونا، سو قرآن نے ازواج کا حصہ وراثت میں مقرر کیا ہے، چونکہ بالاتفاق ممتوعہ عورت وارث نہیں ہوتی اسی لئے وہ ازواج میں بھی داخل نہ ہوئی۔ قرآن نے عورتوں کی ان ہی دو قسموں کو چونکہ حلال قرار دیا ہے پس معلوم ہوا کہ ممتوعہ عورت قرآن کی رو سے مرد پر حرام ہے اس کے جواب میں صاحب فتح الملہم نے فرمایا ہے کہ هذه المرأة المستمتع منها وان كانت زوجة ناقصة (ممتوعہ عورت بھی ازواج میں داخل ہے خواہ ناقص ہی قسم کی زوجہ ہو) لکھا ہے کہ زوجیت اس میں "بعض معنی الزوجية" پائی جاتی ہے یعنی وہی گواہی اور حیض سے استبراء کی شرط اس کو زانیہ سے ممتاز کر دیتی ہے۔ میں نے جو یہ عرض کیا کہ البینات میں بعض لوگ حرمت متعہ کو شمار جو نہیں کرتے ہیں زیادہ سے زیادہ ان کی طرف سے یہی بات کہی گئی ہے ۱۲

[2] متعہ کا مسئلہ اپنی ایک خاص خصوصیت کی وجہ سے حرم

ہا جائے۔ اس اختلاف کو اختلاف ہی کی شکل میں باقی رہنے دیا جائے یا مسلمانوں کو اس مسئلہ میں
ی ایک نقطۂ نظر پر متفق کر دیا جائے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فاروقی بصیرت نے دوسری صورت
جیح دی اور برسر منبر جب صحابہ کا مجمع نیچے بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا تذکرہ کتابوں میں کیا گیا ہے خاص اہمیت رکھتا ہے یعنی سمجھا جاتا ہے کہ دو دفعہ یہ حلال کیا گیا اور
ی دفعہ یہ حرام کیا گیا، کہنے والے کہتے ہیں کہ پہلی دفعہ خیبر میں حلال کیا گیا لیکن خیبر سے واپسی کے وقت اس کی حرمت
لان کیا گیا۔ پھر جب مکہ فتح ہوا اور مسلمان طائف کی طرف بڑھے تو اس عرصہ میں پھر اعلان کیا گیا کہ متعہ حلال کیا جاتا
لیکن اس کے کچھ دن بعد پھر اعلان کیا گیا کہ متعہ ہمیشہ کے لئے حرام کیا جاتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ جن الفاظ میں راویوں
متعہ کے حلال و حرام ہونے کے قصے کو بیان کیا ہے ان کے پڑھنے سے آدمی اس نتیجہ تک پہنچتا ہے لیکن جیسا کہ ظاہر
یہ عجیب بات ہے حافظ ابن قیم نے بھی لکھا ہے کہ اگر واقعی صورت حال یہی ہے تو یہ مسئلہ اپنی آپ نظیر ہے شریعت
اس کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی، اس سلسلہ میں فقیر ایک خاص خیال رکھتا ہے تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں ہے
جمالاً اپنے خیال کو ان الفاظ میں ادا کر سکتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ متعہ کی حرمت کے ساتھ عموماً اس کا بھی ذکر کیا جاتا
کہ پالتو گدھوں کی حرمت کا بھی اعلان کیا گیا، میں یہ پوچھتا ہوں کہ گدھے کی حرمت کے اعلان کا یہ مطلب کیوں لیا جائے
ریعت نے پہلے اس کو حلال قرار دیا تھا، بلکہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ اس وقت تک اس کی حرمت کا چونکہ اعلان نہیں
تھا اور جاہلیت والے گدھے کا گوشت بھی کھاتے تھے اس لئے اسی جاہلی رواج کی بنیاد پر بعض لوگوں نے خیبر
گدھوں کو ذبح کیا اور ہانڈیوں میں پکنے کے لئے اس کے گوشت کو چڑھا دیا جیسا کہ روایتوں میں آیا ہے کہ دریافت
نے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ہانڈیوں میں گدھے کا گوشت پک رہا ہے اسی وقت آنحضرت نے
یاں الٹوا دیں اور اعلان کر دیا گیا کہ گدھے کا گوشت حرام ہے۔ متعہ کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ جب خیبر سے واپسی
نے لگی تو بعض عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ رو رہی ہیں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ان سے بعضوں نے
یا تھا اور اب ان کو چھوڑ کر جا رہے ہیں، اسی پر عورتیں رو رہی ہیں اس علم کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
علان فرمایا کہ متعہ حرام ہے پس کیوں نہ سمجھا جائے کہ جیسے گدھے کے گوشت کو جاہلی رواج کی بنیاد پر لوگ پکاتے
سی طرح متعہ بھی جاہلی رواج ہی کی بنیاد پر لوگوں نے کیا تھا پس یہ کہنا کہ متعہ کو اسلام نے کسی زمانہ میں حلال کیا
ست نہ ہوگا، اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد اسلام میں فوج در فوج ہزار ہا ہزار کی تعداد میں نئے لوگ داخل
ئے اور طائف میں ان ہی نومسلموں نے جن کو خیبر والے حکم کا علم نہ تھا قدیم جاہلی رواج کی بنیاد پر متعہ کیا آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو جب علم ہوا تو پھر آپ نے دوبارہ ان نومسلموں کے لئے متعہ کی حرمت کا اعلان کیا۔ اگر واقعہ کی تعبیر اس طریقہ سے
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ما بال رجال ینکحون ھذہ المتعۃ بعد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لوگوں کا یہ کیا حال ہے کہ متعہ کے طریقہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے بعد بھی نکاح کر رہے ہیں

فتح الملہم صفحہ ۴۴۲ بحوالہ بیہقی و ابن المنذر وغیرہ

کسی روایت سے ثابت نہیں ہے کہ کسی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال کے جواب میں یہ کہا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہم اس کو کیوں ناجائز سمجھیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے متعہ کی حرمت کا اعلان عام فرما دیا۔ علماء نے اسی بنیاد پر قرار دیا ہے کہ متعہ کی حرمت اب اجماعی حرمت ہے اور سارے شکوک و شبہات جو اس مسئلہ میں تھے ان کا ازالہ اس اجماع سے ہو گیا ورنہ ناممکن تھا کہ صحابہ حضرت عمرؓ کو نہ ٹوکتے جبکہ ثابت ہے کہ معمولی بڑھی عورت بھی حضرت عمرؓ کو ٹوک کر ان کے حکم میں ترمیم کرا سکتی تھی۔

کچھ بھی ہو یہ پہلا اہم مسئلہ ہے جس میں بجائے اختلاف کے امت کو ایک اتفاقی مسلک پر جمع کرنے کی کوشش حضرت عمرؓ نے کی۔ اسی کے ساتھ لوگ حج والے متعہ یعنی تمتع کے متعلق بھی حضرت عمرؓ کے خاص حکم کا ذکر کرتے ہیں لیکن وہ مسئلہ معمولی ہے جس کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ دو اور مسئلے جن کا دین کے "غیر مبنائی" شعبہ سے حالانکہ تعلق ہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان دو مسئلوں میں بھی مسلمانوں کے اختلافی طرز عمل کے باقی رکھنے کو پسند نہیں فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی جائے تو خواہ مخواہ دو دفعہ کی حلت اور دو دفعہ کی حرمت یا جائز ہے نہیں جائز ہے پھر جائز ہے نہیں جائز ہے اس قسم کی باتوں کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ دو دفعہ تو خیر بڑی بات ہے متعہ ایک دفعہ بھی اسلام میں حلال نہ ہوا۔ کرنے والوں نے اگر کیا تھا تو جاہلی رواج کی بنیاد پر کیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ راویوں نے متعہ کی حرمت و حلت کے واقعات کی تعبیر جن الفاظ میں کی ہے ان پر میری تعبیر کا منطبق ہونا میں خود جانتا ہوں کہ مشکل ہے لیکن واقعات کی تعبیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعی واقعہ کی شکل بھی ویسی تھی، خاکسار نے جو بات عرض کی ہے، غور کیا جائے گا تو سارے جھگڑوں کا اس سے ازالہ ہو جاتا ہے اور مسئلہ کی جو اصلی صورت جیسا کہ میرا خیال ہے سامنے آ جاتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب ۱۲

جنازے کی نماز میں تکبیروں کی تعداد کتنی ہے؟ اس سلسلہ کا یہ پہلا مسئلہ ہے، عہد فاروقی تک معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ چار بعض پانچ بعض چھ تکبیریں تک جنازے کی نماز میں کہنے کے عادی تھے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی حکومت کے زمانہ میں بھی لوگ یہی کر رہے تھے ابراہیم نخعی والی روایت کے الفاظ ہیں کہ۔

ففعلوا ذلك فی ولایته ازالة الخفاء ص۹۲ج۲ — حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں لوگوں نے یہی کیا

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ نے کسی خاص تعداد کی پابندی کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور اختلاف کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طرز عمل تھا، لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ اپنی خلافت کے کچھ دن گذر جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابیوں کو جمع کیا اور اپنا خیال ان کے سامنے پیش کیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کا باقی رہ جانا کچھ مناسب نہیں ہے چاہئے کہ آپ لوگ کوئی خاص تعداد تکبیروں کی طے کریں اور اس پر سب متفق ہو جائیں تاکہ

یجتمع به علیه من بعدکم — آپ کے بعد بھی اسی پر مسلمان اکٹھے کئے جائیں۔

روایت میں ہے کہ صحابہ نے حضرت عمرؓ کے مشورے کو قبول کیا۔ بحث و مباحثہ کے بعد رائے طے ہوئی کہ جنازے کی آخری نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پڑھائی ہے: اس میں جتنی تکبیریں آپ نے کہی تھیں، اسی پر سب لوگ جمع ہو جائیں تحقیق سے معلوم ہوا کہ آخری فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس باب میں چار تکبیروں کا تھا، یعنی چار تکبیروں سے آپ نے جو نماز جنازے کی پڑھائی تھی، اس کے بعد پھر آپ کو اس نماز کے پڑھانے کا موقع نہ ملا اور اسی کو اختیار کر لیا گیا۔

یقیناً یہ سوال ہوتا ہے کہ جیسے بیسیوں مسائل ایسے تھے جن میں اختلاف کو باقی رہنے دیا گیا تھا تو جنازے کی ان تکبیروں کی تعداد کا مسئلہ ایسا کونسا اہم مسئلہ تھا جس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اختلاف کو مناسب نہ خیال کیا۔ کوئی خاص بات اس سلسلہ میں اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی ہے البتہ اسی روایت کا ایک فقرہ جو یہ ہے کہ صحابہ کو سمجھاتے ہوئے حضرت عمرؓ

U 3529

نے کہا تھا۔

والناس حدیث عهد بالجاهلية	جاہلیت سے لوگوں کا رشتہ ابھی پرانا نہیں ہوا ہے پس
فاجمعوا على شئ	یہی مناسب ہے کہ کسی ایک پہلو سب اکٹھے ہو جاؤ

ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ سے حضرت عمرؓ نے مسئلہ کی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہو[1]۔

دوسرا مسئلہ اسی سلسلہ میں "غسل جنابت" سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں کہ غسل ہم بستری سے کس وقت واجب ہوتا ہے؟ ابتداء اسلام میں بعض صحابہ کا خیال تھا کہ جب تک انزال

---

[1] اس وقت مجھے حضرت الاستاذ الامام الکشمیری کا ایک نفسیاتی نکتہ یاد آگیا جس کا ذکر اپنے درس حدیث میں حضرت عموماً فرمایا کرتے تھے آپ کا خیال تھا کہ شادی اور بیاہ کے مواقع میں عوام جن لایعنی حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں خلق گشت ودولھے کو کرانا آتش بازی، شور و ہنگامہ وغیرہ یا طول فضول مصارف ان کو بدعت کی مد میں بعض مولوی جو داخل کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے ممانعت تو ان امور کی کرنی چاہئے لیکن نہ اس لئے کہ وہ بدعت ہیں اس لئے کہ بدعت تو دین میں اضافہ کا نام ہے اور اس قسم کے مواقع میں جن افعال کا ارتکاب کیا جاتا ہے کوئی بھی ان کو دین سمجھ کر نہیں کرتا یعنی کرنے سے خدا خوش ہوگا یا ناخوش ہوگا، پس ان چیزوں کی ممانعت دوسرے دفعات شرعی کے تحت ہو سکتی ہے یعنی اسراف (فضول خرچی) کو اسلام نے جو حرام قرار دیا ہے، یا سفاہت اور بے دقوفی کے حرکات یہ ہو سکتے ہیں شاہ صاحب فرماتے تھے مگر موت کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ موت کا تعلق چونکہ دوسری دنیا سے ہے اس لئے جو افعال موت کے وقت کئے جاتے ہیں عموماً سمجھ لیا جاتا ہے کہ ان کا دین ہی سے تعلق ہے اسی لئے غیر شرعی امور جن کا رواج موت کے وقت لوگوں میں ہے ان پر بدعت کے لفظ کا اطلاق صحیح ہے یہی میں یہاں بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جنازے کی نماز کا تعلق چونکہ موتیٰ سے ہے اسی چیز نے اس میں دینی اہمیت کا اضافہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہیں شاید اسی طرف اشارہ ہو کہ موتیٰ سے تعلق ہونے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس اختلاف میں زیادہ شدت پیدا ہو جائے اور مسلمانوں کی دینی تفریق کا سبب بن جائے ہو سکتا ہے کہ اسی مصلحت نے اختلاف کے ختم کرنے پر آپ کو آمادہ کیا ہو، فقہاء حنفیہ نے بعض کتابوں میں لکھ بھی دیا ہے کہ چار تکبیروں سے زائد تکبیر جنازے میں کوئی امام اگر کہے تو مقتدی کو چاہئے کہ اس کی پیروی نہ کریں۔ مولانا انور شاہ قدس اللہ سرہ العزیز نے اس سے اختلاف کیا ہے (دیکھو عرف الشذی) میں یہ کہتا ہوں کہ اس حنفی فقیہ کا تشدد اس کی غماز ہے کہ مسئلہ میں شدت کے پیدا ہونے کی صلاحیت تھی راز وہی ہے کہ اس کا تعلق موت سے ہے۔

نہ ہو، صرف ہم بستری سے غسل واجب نہیں ہوتا یہی مسئلہ ہے جس کی تعبیر

انما الماء من الماء — پانی پانی ہی سے واجب ہوتا ہے۔

سے کرتے ہیں، یعنی پانی سے غسل کرنے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے کہ پانی خارج ہوا ہو، حضرت عمرؓ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور جن کا یہ خیال تھا ان سے آپ نے دریافت کیا کہ تم لوگوں نے یہ بات کہاں سے پیدا کی ہے گو روایات اس باب میں مختلف ہیں مگر زیادہ رجحان اسی طرف ہے کہ ان لوگوں نے وجہ صرف یہ بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگ ایسا کرتے تھے لیکن ہمیں مالغت نہیں کی گئی حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے اس فعل کا علم تھا؟ جواب میں کہا گیا کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے حضرت عمرؓ نے تب مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا خیال اور علم کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ لوگوں کی رائیں مختلف ہیں حضرت علیؓ اور معاذ بن جبل کو اصرار تھا کہ صرف ہم بستری وجوبِ غسل کے لئے کافی ہے اسی کی تعبیر تھی کہ

اذا جاوز الختان الختان • فقد وجب الغسل — جب مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

لیکن دوسرے فریق کو اپنے خیال پر اصرار تھا آخر اس مسئلہ میں ازواجِ مطہرات سے دریافت کیا گیا، حضرت علیؓ اور معاذ کا جو فتویٰ تھا اسی کی تائید وہاں سے ہوئی اسی کو حضرت عمرؓ نے فیصلہ قرار دیا اور اس کے بعد آپ نے اعلان عام کرتے ہوئے فرمایا۔

لا اسمع برجل فعل ذلك الا اوجعته ضربا ...ازاله — اس کے بعد بھی اگر میں نے یہ سنا کہ کسی نے ایسا کیا ہے تو اسے مار کا دکھ پہنچاؤں گا۔

ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ بھی دین کے فروع سے تعلق رکھتا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اس میں بھی صلاحیت محسوس کی کہ اسی وقت اگر اس کو طے نہ کر دیا گیا تو آئندہ کسی بڑے فتنہ کا یہ مقدمہ نہ بن جائے اسی موقعہ پر آپ نے فرمایا تھا کہ

انتم اصحاب بدر و قد اختلفتم فمن بعدکم اشد اختلافاً

تم لوگ ان صحابیوں میں ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر میں شریک تھے تم اختلاف کرتے ہو تو تمہارے بعد والے زیادہ اختلاف میں سخت ہو جائیں گے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حد اعتدال سے تجاوز کی صلاحیت آپ کو اس اختلاف میں بھی نظر آئی جیسے جنازے کی نمازوں کی تکبیروں کے متعلق بھی آپ کا یہی خیال تھا اس وقت بھی یہ کہتے ہوئے کہ لوگ جاہلیت سے ابھی نکلے ہیں آئندہ یہ اختلاف زیادہ شدت اختیار کرے گا۔ جنازے والے مسئلہ میں تو خیر ایک خصوصیت نظر بھی آئی تھی لیکن غسل والے مسئلہ میں اختلافات کی شدت کا اندیشہ کیوں ہوا، میں اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتا بجز اس کے یہ فاروقی بصیرت تھی۔ اور ان کو حق تھا کہ اس قسم کے امور میں اپنی بصیرت کے مطابق فیصلہ کریں۔

اس میں شک نہیں جنازے والے مسئلہ میں بھی ایک اچھی نظیر یہ ملتی ہے کہ چار رکعتوں سے زیادہ جب کسی وقت کی کوئی نماز نہیں ہے تو تکبیریں جو جنازے کی نماز میں رکعتوں ہی کی قایم مقامی کرتی ہیں ان کو بھی چار سے زیادہ نہ ہونا چاہئے بعض روایتوں میں حضرت عمرؓ کے اس نکتہ کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے (دیکھو ازالۃ الخفا ص۹۱ ج ۲) اسی طرح غسل والے مسئلہ میں یہ نظیر پیش کی جاتی ہے کہ زنا کی سزا رجم یا تازیانہ انزال پر موقوف نہیں ہے بلکہ صرف وقاع کافی ہے تو غسل کے لئے بھی وقاع ہی کیوں کافی نہ ہوگا اس نظیر کا بھی ذکر آثار میں کیا گیا ہے۔ (ازالۃ الخفا ص۸۱ ج ۲)

مگر اس قسم کے ترجیحی وجوہ تو قریب قریب غیر بنیادی مسائل کے سارے اختلافات میں ملتے ہیں، پس مناسب یہی ہے کہ ان دونوں مسائل میں بجائے اختلاف کے تمام مسلمانوں کو ایک ہی نقطہ پر متفق کرنے کی وجہ صرف فاروقی بصیرت کے فیصلہ ہی کو قرار دیا جائے آخر جس کی زبان پر خود پیغمبر نے حق کو گردش کرتے ہوئے پایا تھا اور جس کے منشار کے مطابق وحی ایک

سے زیادہ دفعہ نازل ہوئی خیال کرنے کی بات ہے کہ اسی کو اس قسم کے فیصلوں کا اختیار نہ دیا جائے گا تو کس کو دیا جائے گا۔[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی قسم کے مسائل کی تحقیقات کے سلسلے میں مثلاً غسل کے وجوب میں صرف ہم بستری کافی ہے یا مادۂ تولید کا خروج بھی اس کے لئے ضروری ہے اس باب میں امہات المومنین سے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا علم حاصل نہ ہوتا تو صحابہ کے جس اختلاف کو مٹا کر ایک ہی نقطۂ نظر کے قایم کرنے میں حضرت عمرؓ کو کامیابی ہوئی نہ ہوسکتی تھی آخر جن کا خیال اس کے برعکس تھا ان کو اپنے مسلک سے ہٹانے کے لئے حضرت عمرؓ بیچارے کیا کر سکتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس خطرے کا اظہار کر کے رہ جاتے کہ اس مسئلہ کو اختلاف کی اسی رنگ میں آج اگر چھوڑ دیا جائے گا تو اس میں صلاحیت معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں اس کے متعلق اختلاف کی کیفیت خطرناک حد تک شدید ہو جائے۔

---

[1] اصول فقہ کی ایک اصطلاح "مصالح مرسلہ" بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خود صاحب شریعت سے وہ منقول نہ ہو، مگر باوجود اس کے کسی حکم کا فیصلہ کیا جائے۔ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مصالح مرسلہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ الحکم علی اعتبار علۃ لم یثبت اعتبارھا من الشارع (ص ۲۳۵ العرف الشذی) حضرت الاستاذ الکشمیری قدس اللہ سرہ العزیز نے اسی موقعہ پر اپنا یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ان الخلفاء الراشدین مجازون فی اجراء المصالح المرسلۃ وھذہ مرتبۃ فوق مرتبۃ الاجتہاد ودون مرتبۃ التشریع (یعنی خلفاء راشدین مصالح مرسلہ کی بنیاد پر فیصلہ کا اختیار رکھتے تھے اور اجتہاد جو ائمہ مجتہدین سے متعلق ہے مصالح مرسلہ والا حکم اس سے تو بلند مرتبہ کی چیز ہے لیکن تشریع یعنی کسی جدید قانون کا اضافہ جو فقط پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے اس سے مصالح مرسلہ والا اختیار کم درجہ رکھتا ہے) کتاب مذکور ص ۲۵۸ حضرت الاستاذ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگرچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اجتہادی اختیارات کی جو نوعیت ہے بس یہی نوعیت خلفاء راشدین کے اختیارات کی بھی ہے ان کو مزید اور کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں مگر شاہ صاحب نے اس خیال کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے طرزِ عمل سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصالح مرسلہ کی بنیاد پر حکم لگانے کا اختیار خلفاء راشدین کو حاصل تھا ۱۲

لیکن جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یاں سے یہ علم حضرت عمرؓ کے پاس آیا کہ صرف ہم بستری وجوب غسل کے لئے کافی ہے، تب آپ کے قلب میں قوت پیدا ہوئی اور کیسی قوت؟ اسی کے بعد آپ نے وہ فقرہ فرمایا تھا جسے پہلے نقل کر چکا ہوں یعنی

لا اسمع برجل فعل ذلک الا اوجعتہ ضرباً (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص)
اس کے بعد بھی میں نے سنا کہ کسی نے ایسا کیا ہے تو اسے مار کا دکھ پہنچاؤں گا۔

اسی طرح ایک اور اہم تاریخی مسئلہ حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اس وقت پیش آیا جب ایک دفعہ آپ شام تشریف لے گئے تھے ابھی شام پہنچنے نہ پائے تھے بلکہ عرب اور شام کے درمیان شام کے حدود پر سرغ نامی جو مقام تھا وہیں تک پہنچے تھے کہ شامی فوجوں کی چھاؤنیاں جہاں قائم تھیں وہاں وبا (طاعون) پھوٹ پڑا، فوجی سپہ سالاروں نے مناسب خیال کیا کہ حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے آگے بڑھ کر مطلع کر دیا جائے۔ سرغ میں ان سے ملاقات ہوئی سپہ سالاروں کے سردار حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے مل کر حضرت عمرؓ کو فوج میں طاعون کے پھوٹ پڑنے کی خبر سنائی حضرت عمرؓ وہیں ٹھہر گئے اور حکم دیا کہ میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابیوں کو فوج سے بھیج دو جنہوں نے مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا اصطلاحاً جن کا نام اس زمانہ میں "مہاجرین اولین" تھا جتنے افراد شامی فوج میں اس جماعت کے موجود تھے وہ حاضر ہوئے، حضرت عمرؓ نے سب سے مشورہ کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے، آیا اس وبا زدہ علاقہ میں داخل ہو جاؤں یا سرغ ہی سے مدینہ واپس لوٹ جانا مناسب ہوگا کہا جاتا ہے کہ آراء ان بزرگوں کے اس باب میں مختلف ہو گئے، بعض کہتے تھے کہ آخر جن اغراض کو پیش نظر رکھ کر آپ نے سفر کو اختیار فرمایا تھا جب وہ اتنے اہم تھے کہ مدینہ چھوڑ کر سفر کی مشقت برداشت کرتے ہوئے سرغ تک آپ پہنچ چکے ہیں تو ان اغراض کی تکمیل کر کے واپس لوٹنا مناسب ہوگا ان کا مقصد یہ تھا کہ طاعون واعون کا خیال نہ کیجئے اور چلے چلئے۔

(باقی آئندہ)

مُعتزلہ

از

(جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے، پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹرایٹ لا)

(۲)

(۱) نفی صفات (۲) قول بقدر (۳) قول بمنزلۃ بین المنزلتین وخلود مرتکب کبیرہ فی النار

(۴) اصحاب جمل وصفین اور قاتلان حضرت عثمانؓ و جانب داران حضرت عثمانؓ میں سے

ایک گروہ غیر معین مخطی ہے۔

ان عقاید کی اجمالی تفصیل یہ ہے۔

(۱) قول بمنزلۃ بین المنزلتین جیسا کہ ہم نے اوپر پڑھا ہے کہ واصل اسی عقیدہ کی بنا پر امام حسن بصری کی مجلس سے علیحدہ ہوگیا اور اعتزال کا لقب پایا واصل کا خیال تھا کہ مومن کا لفظ تعریف و مدح کا لفظ ہے جو شخص کبائر کا مرتکب ہوتا ہے وہ مدح کے کسی طرح قابل نہیں ہوسکتا لہذا اس کو مومن نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ایسا شخص عقیدہ تو بہرحال اسلامی رکھتا ہے اور اللہ کے معبود ہونے کا قائل ہے لہذا اس کو کافر بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ایسا شخص بغیر توبہ کے مرگیا تو واصل کے عقیدہ کی رو سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا[1]۔ البتہ چونکہ اس کا عقیدہ درست تھا۔ اس لئے اس کو عذاب میں تخفیف رہے گی! کفر وایمان کے درمیانی درجہ کو "منزلۃ بین المنزلتین" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ امام غزالی نے احیاء العلوم[2] میں بتلایا ہے، معتزلیوں کو شبہ ان آیتوں سے پڑا۔

وَاِنِّی لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہوں جو

---

[1] خوارج بھی عموماً مرتکب کبیرہ کو خالد فی النار قرار دیتے ہیں [2] مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم مطبوعہ نولکشور پریس ص ۱۳۵